

W o m e n W r i t
C l a s s i c s



افسانے

سوری نمی

عصمت چغتائی

RHOTAS **L P S**

L o w P r i c e d S e r i e s

سے ٹوٹ کر کھو جاتا تھا۔ کھانا اور بھی گزارا جاتا ہے۔ کھانا یہ اور اور کھانا
 بچ سڑک پر چھٹے ہارے تل کی طرح چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ درجہ درجہ تل عشق و محبت
 کی گاڑی بھلا کیا کھینچے گا! جب لوگ عشق نہ کر رہے ہیں گے تو سڑک میل کی پاروں
 کا نور کہاں سے آئے گا۔

اس لئے وہی جان سے بڑی کوشش کرتی تھی کہ کھانا اپنے استخوان پر منظم
 گزارے۔ چار کالیں دین چاہئے۔ ایک سے ایک لبروں میں بیرونی تقریر ہو۔ اسی لئے
 اسے معمولی فعل و صورت کی حرفیں سے غارت تھی۔ غم میں بیرونی نہیں بن
 جاتی تو کسی کے گلے میں ٹکنا چاہتی تھی تاکہ اس پر نذر ازال کر دیا نہ لگی ہو۔
 لوگ اس کے پتکے میں نہیں اصرار کرتے تھے بلکہ جان لینا انہوں سے بچنا چھڑا
 کے دو گھنٹی پہلے بولے آتے ہیں۔ سڑک داری کی آفت "مس دیا" صرف گھنٹی کی
 پر صبر نہ تھی اس نے دوسری کا سڑک میل سے سبیل بدل بھی ختم کر دیا۔ وہ انہیں
 ایسی جگہ کیوں جانے دیتی جہاں سے خود اس نے انہیں بھڑا تھا۔

اگر مس دیا بیت گئی تو دوسری پھر کریں کہ نور نہ لے گی۔ اس لئے سڑ
 میل اس کی کٹ کرتے ہی سڑک بھٹی تھی۔ یہ وہ جاتی تھی کہ سڑک داری اچھی نہ
 ہو تھی تو نسبت یہاں تک نہ پہنچتا تھا اس نے انہیں کہنے کا قہر لاکر لیا۔ مگر سڑ
 دیا نے اسے بری طرح دھتکار دیا۔

"تم بھی مد کرتی ہو۔ خود ہی جگ لگاتی اور آپ ہی بھانے دوڑیں۔"
 انہوں نے مجھ سے سڑک داری کے برتاؤ کی حفاظت کی تو میں نے ہل کر کہہ دیا۔

"لو کہ۔ ہم کدو پخت کیا۔ پھر لپٹا آپ ہم کو کدو پخت ہم سواری ہے۔ ہمارے کو
 کیا پتا تھا وہ سالی ایذا ایک دم پھٹکے ہے۔" دیا کا اصلی نام ایذا داری سوا تھا۔
 نسبت سبھی کی سے سڑک میل نے ایک نسبت شان دار پرودہ بکت کا چاہا تھا۔ نور
 و رنگ کبھی کا صدر "نورانی نگرانی اور غرابی مجھے جان لیا" کہ کدو سڑک داری
 نہیں دھتکار سکیں گی۔ ان اور داری معدوں کو حاصل کرنے کے بعد یہ میرا فرض ہو
 جاتا ہے کہ میں سڑک داری کی اور ہاتھ کدو لادوں۔

"مجھے نامیرے صوفے کا کیا حال ہو رہا ہے۔ مرمت کرانے کی توفیق نہیں
 ہوئی بھلا سڑک داری مرمت کیا کروا سکوں گی۔"

"جہ" ارے ہذا اس میں کیا دانا ہے۔" انہوں نے مجھے کھنکھایا کہ یہ میرا
 اعتدالی فرض ہے کہ میں انہیں جی کدو رنگ پینے کی رنگ کے لئے راضی کر لوں۔ ان
 کی جھنجھٹ ہوئی تو انہوں کو پناہ دیتے ہیں جی کدو لادوں اور ان کے قہقہے ایسے جہم کو
 چار میں لانے کے لئے اس درازی سے ہلاڑ سولانے پر اتار دیتے ہیں کہ ایک ہلاڑ
 ہائیں دوپٹے میں جتا ہے۔ تمام چوٹی کی غم جی نہیں اسی درازی سے قہقہے لیں
 ہلاڑ سولانے ہیں کہ کدو آپ دیکھتے ہی سڑک کی چٹنی بڑھ اٹھتی ہے۔

ایسے قہقہے ہلاڑ ہلاڑ سے سڑک داری کے جہم کا جھول تو تل جانے کا عمر ان
 کی دوسرا بڑی ترسہ ہے۔ قہقہے کون جتا سکتا ہے۔ دوسری کی برائی بیرونی سازی کی
 نسبت نے ان کی نور داری کو اتنی غم کر دیا ہے کہ وہ صرف بچے کا امیرین کر دے
 گئی ہیں۔ اس کا انکسار اس وہ ایک طریقے سے لیتی ہیں کہ انہیں بھانے انسان کے
 دوسرے کھانے کی مشین کا مرتبہ دے رکھا ہے۔ مشین کو دھانے کے لئے سول
 سکھار کون کرے۔ وہ چار چار ہیں جنہیں کہتے ہیں تو کھانا کھت چلتی رہتی ہے۔

پچھے بہت سے مہوں کو عورت کو قہقہے میں لانے کے کر معلوم ہوتے ہیں
 اسی طرح سڑک میل اپنے آپ کو مہوں کو چھانے کے فن میں ماہر سمجھتی تھیں اور ہر
 وقت اپنے آپ کو سول سے ملنے سے انکسار لگی رہتی تھیں۔ اس پاس پہنچے بھی غم
 داری میں کام کرنے والے تھے وہ ان کی داریوں کو جانے کہ یہ وہ دھاتیں کہ یہ غم
 داری ہے۔ یہاں کسی کامیاب محفوظ نہیں۔ ہل کی طرف سے چوکر دیا۔ قدم قدم
 پر چھلکے ہیں۔ شریف سے شریف شہر کا ہی رہتے جاتا ہے۔ شہر لوگ کو قائم اور
 دائم رکھنے کے لئے بڑے بڑے قہقہے کی ضرورت ہے۔ جس اسٹے کے فن پر نہیں نے
 یہاں جیتا ہے وہی چہرہ ترین اعتبار استعمال کرتا چلتا ہے۔ جہاں ہم اور ہاتھ میں
 بچھڑے ہوئے ہیں شہر کی دیکھنا کا پرگرام بھی نسبت سے کھنکھایا ہے۔

وہاں میں کسی قدر جبر ہدف سکھار کے سلاہ "تل" پھولے

اسی لئے جب تاک وہ گڑھے میں پھنس گئی ہے تو کچھ زیادہ قہر نہیں ہوا۔ ڈاکہ پھٹنے سے کچھ بندوں چٹائی کرنے لگی تھی۔ گو اب اچھا مال بستی کی طرف دل کیا تھا اور اس کے پاس طوفی مثل آدموں کا احساہ رہ گیا تھا۔ انہیں بھی وہ بڑے پیٹنے سے کاٹتے پھاٹتے کے طرح دہرائے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ مگر کی کر تو اب پھر کرباں کھانے لگی تھی۔ اس میں سے کی کر وہ ڈاکہ ڈالنے اور دہرے کی ایکڑ میں چائے دینے کے قافلہ ہو گئی تھی۔

ایک چال ہوئی سیاست کے سرگرم رہبر کا دل ایک کانٹہ کی ٹوٹی ہوا کیا۔ مصائب نے کسی سے رجوع ہونے کی صلاح دی کہ وہ کسی زمانے میں وہی سنگی کی ٹھیکے میں رہے ہو چکی تھی۔ اپنے لڑکے کو اب بھی نہیں بھولی تھی۔ آفریں کر مگر ازراحمی۔ وہی کسی پادشاہی سرگرمی میں ڈالیا اور باکی میں مگر مظلوم مظلوم کر کے اس کی دل کی گھڑی۔

بڑی بد وقت کے بعد ملے ہو اگر وہی مل سکتی ہے۔ صرف دیکھنے کے لئے برستے کے لئے نہیں۔ ماضی نے ماضی بھری اور ایک پادشاہی کا لگا ہوا تھا۔ فرست نانا تھا اور وہ تو لڑکے کی بھلائی کے لئے ہی کو advice کرتی تو اسے انہوں کے دل میں ڈال دیتی۔

وہ رہبر کا کچھ اور کامیاب شرافت اور انسانیت کے مدارے اصول توڑ کے اسے لے چکا۔

"تم کو تو بڑا سزا میں ایک دم قہر کھاں براقص والا ہم لگا ہے۔ مگر ہم جب تھریں کیا تو ہم کو شہزادہ بہت اچھا لگا۔ سزا دینی اچھا کرتا ہے۔"

"تھریں گئی ہو آئیں؟"

اسے ہم وہاں سزا سے تھریں مانی وہ۔ ہم نے غازی بولا بھی سیکھتے ہیں کی دانی کی دانی۔ "وہ سب سے غازی کا رعب بھانے لگی۔"

"نیکہ کنی ہو دانی کی سزا کی دانی۔" "ایک پادشاہت پادشاہت میں گئی۔"

"وہ سب پادشاہت کا لگا ہوا پادشاہت لگی۔"

میرے دل میں بھی کچھ بھرا ہو رہی تھی اور وہ بھی اپنے کھلنے دیکھانے کے لئے بے قرار تھی۔ ڈاکہ دم میں چاروں طرف لادریاں جڑی ہوئی تھیں جو قسم قسم کے لپاٹوں سے ڈاکہ بھری تھیں۔ وہ اس کی لپٹوں اور چھتیں ہائی رہی۔ درازیں کاسیوم پلا لڑی سے بھری پڑی تھیں۔ بیٹوں کی ہڈیوں پر اندازے کڑی تھیں۔ اسے بڑے بڑے فیس کریم کے ہار اور جوتے کے قرابے تو شاید "صاحب" کے "میں بھی نہ ہوں گے۔" تھیں آئیوں والی ڈاکہ بھری لپاٹیں لپاٹیں بھر رہی تھیں کہ قی دھرنے کی بھی جگہ نہ تھی۔

"میرے دل میں کالپٹ کھلے سے مل گیا" میڈم شہزادہ "میں نے مل کر پچھلا وہ بے قیادت کوئی کی طرف کوٹنے لگی۔ مگر ایک دم سچید ہو گئی اور دھتے پہ اٹلی مار کے بولی۔

"میڈم۔۔۔۔۔ اور کچھ نہیں۔۔۔۔۔ بیٹا مائی اور کچھ۔"

کچھ دیکھ مظلوم ہوا میرے سر کی جگہ ایک بھٹی لگا ہوا ہے۔ ہار چھیدوں والا تھا سا کچھ کا بھٹی۔۔۔۔۔ اور اسے سنے کچھ کے پھٹی بھٹی ہے وہ ساری کتابیں نوٹ پڑیں۔ میں نے چھی تھیں۔ میں نے چھا کچھ کے ٹکڑے ہوئے ڈولوں کو بھٹیوں میں مگر بھری لپٹوں کو لپٹوں میں نہیں اور کھینچتے تو میں کھینچتے تھیں۔

میں دم سے لپٹ کر ہال بھٹی رہا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک بھٹیوں کی آہنی رنگ کا بھٹا تھا۔ بھٹیوں کے معائنے جیسا میز لگا ہوا تھا جس پر دیکھیں گا کہ پڑا تھا۔ دائیں طرف کر اور کولوں پر سے دائرہ گشت پھیلنے کی چھتیں ایسے تھیں۔

"اس کمرے سے ایک ڈیم سلم پڑی ہو جاتا ہے۔" اس نے ایک چاکلوں پر اڑا اور بھٹی دیا دیا۔ "میں نے آج کمرہ خراب کیا۔"

"اس نے رگ کچھ کھانتا ہے جس" ایک دم وہاں کا کچھ اور چلی بھی گئی ہے۔ میرے ساتھ ہے۔ دھل مٹ جاتے ہیں۔" ایک پادشاہت پادشاہت کیوں اور رنگ بھانے کے انہوں سے بھرا ہوا تھا۔ طرح طرح کے شہزادے۔

لوہی دھندہ ہیں کے آؤں تو مجھے قتل یا جھ سے ہاتھ ملے نہیں گئے۔

مظہرؒ اس نے ہاتھ لای ڈارنگ کی سر پہ اور سہانے سے اس نے یہ
بیانی پار کھول رکھا تھا۔ باطل جیسے سڑ کے کارخانوں میں نہ لے لی تھی۔ سونوں کی
مرست کی جاتی ہے دیکھ یہ یہی تھی جی "مظہر" پہلے "قلمی" سے لوری پہن کر خواتین
کی مرست کی جاتی ہے۔ مظہر دیکھ اور تو میں باطل کے بعد باطل ہی مسلم ہونے
لگتی ہیں۔ "پھر کہیں کے بعد سے میں صرف ہاتھ چڑھ رہی ہے۔ مولاؒ کہتے ہیں
تو دیکھ دیکھ ہوتے ہیں۔ تب تک چار ماہوں کے ساتھ دیکھیں نہ ماریں دام وصول
نہیں ہوتے۔ پھر قانون کے ماتحت میں چل ہونے لگی ہے اور نئی پار ہونا چاہتا
ہے۔ پھر کہیں سے تو پھر کروا لوگ اٹھتے ہوتے ہیں۔"

"کیا وہ سو نہیں ہوتے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوتے تو ہیں۔ مگر میں اور پھر کہنے میں بہت چار افراس ہوتا ہے۔"

اس نے پھر بھی کی چٹکاری پھوڑی اور آنکھوں میں غراب پھرانے لگی۔ "اور پھر
کتنے فانی ہوتے ہیں۔ مگر کسی کے ساتھ بیٹی آدمی کے حلقہ دیکھیں نہیں مار سکتے
کیونکہ جب مرست ہم فروری کرتی ہے تو اسے چادر، بھیر اور سون کی جھلی کا
جانا ہے۔ تب اس پر ڈس کھاتے ہیں۔ مگر مروت لیا کرے تو لوگ اس سے کچھ
کھاتے ہیں۔ مجھے تو یہ چارے کھاتے ہندوں قانون کی میری جی میں کوئے نہیں جا
پاتے۔"

پھر ایک دم اپنے چارے سے "مظہر" کی مرست کھانے لگی مگر ان خوش
"مظہر" نے یہ گودھی کی قیامی لڑائی۔ ماری پانیوں ان ہی کے پیچھے بہت
ہوئی۔ یہ کچھ پھر کہیں کے درجے گھٹا ان تمام زخموں پر پھر تک دیا۔

یہ ایک اور بہت ہے کہ لڑکیاں تو شادی کی گاہ میں رہتی ہیں اور یہ
شادی کے نام پر ہر کچھ ہیں۔ شادی جا کے شریف زراہوں ہی سے کرتے ہیں۔

"مہر کی بہت شور کر کے دیا۔" وہ انہیں بھی مگر دیکھ کے روٹنے پر مسکرا

سو بھی نگہز کاہے کو روایا میں نے انہوں کی طرح پوچھا۔

"مہر کی تم کو شادی نہیں سکتے تم سے تو کرنا۔ سو رہنا کرے گا۔"

"مہر تم نے کیا کیا؟"

"مہر کیا کر؟" ہم بھی دیا۔"

پھر ایک دم چپک کر رہیں کہ وہی کی مرست پر حیرت ہے۔ بارش میں ہے لی
تو گھر۔

"تم باطل نہیں نہیں ہو تھی؟"

"کیا بات کر؟" ہم گاہے کو نہیں ہوتے؟ وہ ہر سال ہم کو کر مس کارا
بھیجے۔ "اسو" ہوئی ان میں کیا۔ اور کتنا فانی ہے؟" وہ وہاں پہلے کر اپنی اپنی
کھانوں میں پھونڈنے لگی۔ پھر نہایت دلو کے سون میں ایک لڑائی لگتی تو پھر اور
انگڑا نہیں ہیں۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں کاتھکے چپک کر رہی ہوں۔ چپکا کر رہ گئی۔
اسے میں نیلی فون کی بھی کھینچی اور وہ منہ لگتی چلیں۔ "مظہر" کر تو جی تو اس میں
انہوں نے نہیں "جیسے ان کا بیٹا فون کے چوٹے میں بیٹھا تھا۔ میرا ہی کوئی جھس چکا
تھا۔"

"سچا اب جانتی ہوں۔" میں نے انہیں چاہا۔

"اور پہلے پھر چاہا۔ خود آ رہا ہے۔" انہوں نے اپنے چپک کر کہا تو میں

خود کے لئے چپک رہی تھی۔ پھر انہوں نے اور کچھ کی اگلی کا پھلنا کر کہا میں لڑاتے

ہوئے ایک انگڑا کر رہی تھی۔ "مولاؒ" کیا سست پھر کر رہے۔"

تب وہ مجھے اس میں پھانے پھینے تو غصہ انہیں دیکھ کر یہاں اڑانے

لگے۔ گو وہ ہمیں مجھ سے دس پندرہ دس جی تھی مگر وہ سڑک کی یہ قانون دہ

مرد خواتین کو ان کے غصے کیلئے اور دھار دار پہناتے۔ "مظہر" ساتھ "مولاؒ" دیکھیں

لوگ غصہ انہیں بھی جی جی کچھ دے تھے "بہا شاید یہ سوچ دے تھے کہ کوئی خوش

قسمت ہوگی اپنی دہائی کا سدا تو غیر اور غصہ دار فونی کو کھانے لگانے جا رہی ہے۔

ایک دم گھڑوں احساس کھڑی پھرتے گاڑیوں کے رنگے ہوئے سستے کالج کے
غیر بے لوث چلائی جا رہی تھی اور اس کی پینٹ کا اعلان کونوں میں افسانوں کو
1949ء کو میں ایک مقصدی امید ہوئی اور یہ ایک بڑی خوشی تھی۔ وہ ایک لکھنؤ شہر کے
رواد میں جہت میں چلائی کی امیدوں کے ساتھ تھی۔

لیکن ہر صوفی کو دل چاہیے کہ اگر وہاں بھی جی جھے، گزے ہائے والے
ہوئے ہو اس دنیا میں جہاں انہوں نے گھے سوں کے دھکے کھائے ہیں اور اسے اسکا
تیسری چھٹی سو جانے کی۔

”اور اچھا تو دارلک“ کہتی ہوئی وہ نکلتے جنسے میں داخل ہو جائے گی اور
میں اپنے قہر بھگتی و خیر و بد چلاؤں گی۔

"نہ دیکھ کر اصرار کرتی ہے۔ نہیں مگر بی رحمی۔"

کچھ لکھتے تھے کہ وہ کوئی ایسی عادتوں میں رہنے والے ہوئے ہونے
 دوستان کے نام لکھتے تھے کہ ان کی حالت کلی دینی تھی۔ وہ انہیں ان کے
 چارے پہن سے ہار دی تھی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تھی۔

میں کے ہیں نے چاہا فوراً اسے ظلم کی کئی کے پیچھے دیکھ جائیں۔ ایک لڑکے
دار بھائی بھائی کے گلوں کو اس کے ہاتھ لٹکانے کو دے دیے اور اسے گلوں میں
دھرنے والے سماں دار غریب کا خون چڑھ گئے۔ اس کے گرا رہے تھے خیر کالے
ورہل کھاد سے لیج چلی گور فٹ پاتھ، پڑیاں دنگرے والے کو زخمی اور بے لطف
نہیں ہار کر دار والے ہیں۔ اس کے خیر بھائی کو مسئلہ فور سے لیج چلی۔ کیا
نہانی کے علم دار ہیں کہ کھل چھ کچھ میں کھلتے ہیں۔

مگر یہ سمجھ کر رہی تھی کہ وہ لڑکا جو اس کی صورتِ عورتی انہیں سے نہ
 کہ وہ اس کے برابر آتا ہے تو ان چاروں کے چہرے پر تھی کہ خود انشاء و دعا
 کے کہ وہ ان کے افسانہ کا عجب وارث رہے ہیں۔ ان کے دل ان کے سر پر ہوتے رہے
 جس کے چہرے کاٹے گئے تھے۔

ابھی کچھ دن ہوئے مسز کیم کا فون آیا۔ باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ میرے مہینہ وار قسطوں نے پکارا۔ بائی ورسٹ بھائی فریب کیا۔ مہینے پر ۳۰ روپے والی تھی۔

اے ہے گھوڑی 'میرانی گنت' کیا۔ نہا عمارت کرے ابن ورنوں کو۔ میں
نے فون کیا تو اس کی آواز آئی: "معم صاحب بہت یاد ہے۔"

میں سب عبادت کو چھٹی قرآن کی صحبت ناک ملاؤں گے کہ میں نے وہ
 کیا۔ وہ اپنے اہل بیت پر دین دین بھری ہوئی تھی۔ وہ خلیفہ کے کی طرح سکر ہوا
 تھا۔ تم اسی ناک کی صحبت سے اگلی ہوئی تھی۔ رکت جیسے مرد چھٹی۔ اس دن
 پہلی بار اس کے ذاتی ہاں دکھائی دیے۔ چارویں پندار پہ ملا پہلا اچھا ہوا کیا سوت
 بڑا ہوا تھا۔ پہلے قومی چاہا مٹنے دے کے کھیر چھٹی کر دیں کہ تم بہت اور بھرا
 چھٹک چھڑکے۔ یہی شریعت عورت کی عزت دینے کی غرض کی نوک پر چھٹی
 رہتی ہے۔

مکتوبوں کے ایک ایک پیرا پیرا لکھا گیا۔

”فری لوگ“ خدا ایک دم ہوا۔ ”وہ سبکیں بھرنے لگی۔“

کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے پر مایوس۔ جو عورت مسیحیتوں کے پہاڑوں نے
تب ہی مسکراتی رہی کینے فطرت نے اس گوازی کا کچھ مر نکال دیا۔ میرے دماغ میں
میرا کب سے پکڑ لائے گئے۔

”ہوا کہا“ میں نے کچھ کہنے کی غرض سے افسوس کی طرف ہرچل۔

[illegible]

— 100 —

میں نے کہا "ایک دم سے اس کا چہرہ تغیر ہو گیا۔" میں نے ہنسنے لگا تو وہ بھی

شرم اور غیرت سے اس کا چہرہ لال ہو گیا۔

"تم تجھیں چاہیے نہیں؟"

"نہیں! ہاں ہم بھی ہم بار بار ہم تو اس کی کیا تم کو کیا معلوم۔"

اس کا نام بہت داری کو سنا کر اسے کی کیا ضرورت تھی؟

"اس کا ایک مہینے کا قصہ۔" وہ تعالیٰ آپ سے معلوم ہو گا۔ میں اپنے انت

نہیں۔

"پھر؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میرا وہ کہنا تو یہی ہے کہ وہاں ہاتھ ہی توڑے گا! ان کا رقبہ آگے کو ہوتا۔ اور

پھر شکری نہیں۔ ہمارا کا رقبہ بات کرتا تھا! ہمارا تو سبک فرمایا۔ ہمارا تو اس میں

فٹ کیا تھا! ہمارا چہرہ سو پاؤں کا تھی کہ چہرہ! ایسا ہمارا فٹ ہو گیا۔ ہم اس کی

میں پورا فٹ ہو گیا! ہمارا فٹ۔ کئی دن اس میں اس نے کایا۔" نہیں سے وہاں

آگے سے کئی ہمارا فٹ ہو گیا! ہمارا فٹ۔ کئی دن اس میں اس نے کایا۔" نہیں سے وہاں

"پھر؟" میں نے سوچا۔ یہ بات تھی کہ وہ رات کا نام لے جا رہی ہے۔ اسے

نہیں جا سکتی۔

"بھلا کیا سنا ہوا۔ اپنی ماں کا نام! وہ نہتہ لڑکی تھی۔ اس نے

کہا۔

"بھلا کہہ۔ مگر میں نے تو سنا۔ وہ سر پہرہ رکھ رہی تھیں کہ تم نے

پایس کو جان دیا کہ تم کو غلطوں نے بے عزت کیا۔"

"ہمارا تو اس نے کہا! وہ غلطی ہو کر رہی تھی۔ میں نے بھی اس کا

راتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کی بے چارگی والی مرقعہ آگے سے

آگے جا رہی تھی۔

"ہاں ہم کو کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟"

"سوری کی!"

"اور۔"

"مجھے ہم فٹ ہو گیا۔"

مگر میں فٹ نہ ہو سکی تھی! کا خیراتی بھی رہی۔



ایک چھ مہینے کی عمر میں تھی۔

”اے اُمّی! تم مجھے سدا کی کاؤٹو ملے۔ تمہارے بچے نہیں پڑے کی۔“
 بات۔ کچھ کمرے میں تھی؟ سب سے پہلے کاؤٹو چھڑا۔

”اُمّی! میں سمجھ کر پائیس کی دھنیں کے لئے کھوپڑیوں کی ضرورت ہوتی
 ہے۔ میں یہ لوگ کھوپڑیوں کو کھانے میں چھاتی کرتے ہیں۔“ حیدر چلا اگلے۔

”اے بچے! یہ کیا سنا ہے۔ اچانک کی کوئی نوکری کیوں نہیں
 دھو رہی؟“ اُمّی بولنے لگی تھیں۔

”آپ نوکری رکھ چکے اُمّی۔“ منصور نے اس کے ہاتھ پر تھپکے۔
 ”اے بچہ! دیکھ لے۔“

”اُمّی! آپ کا ہاوانہ دیکھا کروں گا؟ وضو کاؤٹو پھرا کروں گا؟ اور۔۔۔
 نورین کی میں پاؤں کوٹ کر کھلایا کروں گا۔“

”منصور میاں پر بات مذاق میں اڑا دیتے ہیں۔“ آخر نوکری سے کیوں انکار
 ہے؟

”انکار تو نہیں۔“ منصور خود کو فکروں کے ترسے میں لپک کر بیٹھا۔
 ”اُمّی! تمہارے نوکری کے؟“ حیدر چلا اگلے۔

”آپ آگے ہی ہیں۔“

”جی! نوکری ملافت ہے پیرے بھائی تو بڑی کر۔“

”خاص طور پر آپ کی تلاش۔“ حیدر نے ہلکا سا ہنسنے لگا۔

”یارو رہے۔“ بھڑکا کاؤٹو کھینچ کر باٹ جاگئے۔ ”منصور نے کئی مہینے
 پر حیدر چلا سے کہا۔“

”جی! آپ بالکل درست فرماتے ہیں۔“

”اور تم چاہو تو انھیں کی کھینچنی دلا دیتے ہیں تمہیں۔“

”چلا آپ کیوں انھیں ہار نہیں دیتے؟“ حیدر نے ہلکا سا ہنسنے لگا۔

”یہ تمہاری جنگ اُمّی! اپنے تو بھائی کے لئے لڑتی ہیں۔“

شہزادہ ارمیت کے ہاتھ سے مریم سے عطا ہوا چادر تھا۔

مریم نے اپنے چادر کی سلاخی میں دانگی دانی بھری تھی۔ وہیں تک وہی تھیں۔
 ”اُمّی! یہ کتے میں بھی کچھ جان بوری تھی۔“ مریم نے اُمّی کی طرف دیکھا۔

”خیر! وہ اسے سکھو رہا کرکتہ رہے تھے۔ نہ جانے انہیں نے مریم کے
 کانوں میں کیا کہہ دیا کہ اسلوب نہ کرے تھے۔ وہ شادی کے لئے تیار نہیں
 تھیں۔“

”مجھے شادی نہیں کرنا۔“ مریم نے پہلے یہ کہہ دیا تھا۔
 ”اے اُمّی! وہ تو جانتی ہی ہے۔ تمہارے بچے ابھی سو سو ادا ہیں تھے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“
 ”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

”اُمّی! یہ کہنے کا ہے غریب ہے۔“

"اے بے کون اتنی دور جا کے مٹی پلے کر اسے سواؤ فریضوں کے یاقین
 جانتے خراب ہو۔" چٹی نے تخریب کی۔
 "نکم اس کی تم چناؤ کہ ہم انکا وہ بچہ چارو کر کے تھری میت
 لے آئیں گے۔"

"عدا نہ کرے۔ میں اس کے وطن۔۔۔ تو۔۔۔ اسی کا بی گناہ نہیں۔
 "ابن برنس۔۔۔ ذمہ دار تھ۔۔۔ بچا ہیں۔" چٹیلے ہاؤس اپنی بی نوٹی
 اور راجہ جگر کے ساتھ آئے ی میں میں کو چاہیے۔ چٹیلے جیٹ میں چٹیلے گئے
 چٹیلے چٹا گئیں باقی بچے یہ ان کے چٹے چٹا گئے۔ وہ ان کے عزیز ترین دوست
 سب دپ کی تھی تھیں۔ گریوں میں انھیں ڈور کرنا تھے۔ چٹیلے کو چٹیلے چٹیلے دیا۔
 وہ چٹیلے ہاؤس جتنی فکرت تھارے وہاں تھیں۔ وہ بی بی تو تھارے چٹیلے ہاؤس کو چٹیلے

کسی کا۔ "وٹھو بی گورڈ تھری میں سے اس نے ایک فیض لیا کر لی۔
 "جلدی سے بدل کر آجیلے۔"

"یو تھم گھڑو کہ۔" منصور چاہے اچھے سوا میں تھا۔
 اور اپنے کرے میں ہم۔ سیکھو گئے دو دو تھیں۔ انھیں ان کی اگلیوں
 چم کر کھج رہے تھے۔ "دارک ہے بی دنیا داری تو تھارے چاہے گی۔ دینے کوئی
 فرق نہیں چاہے گا تم میری اور میری رو گی۔"
 "مجھے دارک ہے انھیں۔"

"اس میں دارے کی کیا بات ہے تھی؟"
 "اے چٹا چٹا کہہ؟" اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔
 "چٹا گورڈی ما ہے اے کیا چاہتے گا؟" دیکھا میں تم نے کسی بی طرف
 گورڈی تھا تھیں؟

"گورڈی کس کا؟" مریم طے سے کہنے لگی۔
 "ارے نہیں غریب گورڈی ہے چارو اس نے تم بھی لگا۔"

"فریضوں کوئی دیکھی ہوں کی قصدا سے جو دعوہ کر چیتے تھ۔"
 "میں ڈور کھاؤں گی۔ مجھ سے پروا نہ ہو گا۔"
 "میری جان کیوں دلی کا ہار لائے دیتی ہو۔"
 "میں دھڑی نہیں ہوں۔ آج اس کی کل دوسرے کی۔"

"مٹی سوت ہے بی" حیات تم جانتی ہو۔ "ارے دارو سوا میرے دل پہ کیا گورڈ
 رہی ہے اصلیت اسی میں ہے۔"
 "تو تب حیات کیوں نہیں لے چٹا؟" فائدہ دعوہ رکھنے سے؟" مریم
 جس کی۔

"فاق حیات نے تھارے۔ تھری سوا میں میں ہوئی تھی۔" دوسرے میرے اور انا
 فرض ہو گیا نہ کہ جان نہیں کر سکتا۔ "تو فرض کی طرف چٹا تھارے۔" ہر میں کوئی
 ڈور حیات کیوں گورڈی تم کھیلے ہنوں چٹیلے ہو چٹا گی۔ "دوسرے صورت کے لئے بھی
 تو چار نہیں ہو گئیں۔" دارو میرا دوست ہے۔۔۔ خراب تو بہت دیر ہو گئی ہے میری
 جان۔"

"آپ مجھ سے ہر روز چٹے ہیں۔" چٹیلے بھڑا چٹے ہیں۔ "مریم روئے نہیں۔"

"یہ قصدا دعوہ ہے بدل۔"
 "تو ہر روز لڑی۔۔۔ جس کے ساتھ آپ گھومتے پھرتے ہیں۔"
 "اور تم تو عد کرتی ہو مجھ کی طرف کے چٹیلے میں۔۔۔"
 "میں خوب جانتی ہوں آپ کی بدلیں۔"

"راجہ دارک مجھے کھنے کی کو خوش کر۔ تم تو تھاری جگر سے بھی ہار رہا
 آگے لگے نہیں۔ ان نے تو فیصلہ لیا۔" چٹیلے میں چٹیلے۔
 "تو خوار ہو جاتی ہیں؟" آپ کا کس منہ سے مع کر گئی ہیں۔"

"میں بھی تو فیصلے مع نہیں کرنا۔ جاتی تھ سے ڈور دینا مانڈا انھیں
 نہیں کس نہیں لے گا۔"

"ہی! آپ میرے لئے دوا دے کر گئے ہیں۔"

شکر ہے لیکن کوئی فرق نہیں پڑا کہ قبل آتی اہم رہی میںہ لیاوت یہ۔ اچھا اب میں بھی چلا۔ "انہوں نے اسے اٹھا کر گواہ کر دو نہیں پڑی۔

آج اتنی گلاب برہی تھی۔ سنے اور غواہی اچھا رنگ دکھا رہی تھی۔ بھانے درم کے آجین منصور کی نظروں اس کا پتلا کر رہی تھیں۔ ان انگڑوں میں اسے اپنے چاکا عس نکھر رہا تھا۔ آج اس نے نہایت بہت قیض اور تنگ سواری کی شکار بنی تھی۔ چاند کے پردوں میں سا شکان کاونہ نام چلا کر کہ جس پر پڑا تھا۔ سارے تھیں اچ کی میٹل ہاں کر وہ منصور کے کان کی کو تنگ کھلی رہی تھی۔ اس نے آتی بار اچانک میں کر منصور سے اپنے کو بچا۔ کس قدر سوزوں ہو رہی تھی!

میدار بچا منصور کے پاس پہنچے جسے نذر شد سے کوئی باقی بے باقی نہ رہ رہے تھے۔ باب ان پر پڑھنے تھی تھی وہ برہات کی حالت کرتے تھے تھے تھی کہ خود اپنی حالت شہرہ کر رہتے تھے۔ کبھی ایک دم کیہ انسان کے خلاف بھانے لیتے اور منصور بارشید کو کھیر کر اچھے تھے کچھ کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بھر کے کیہ انسان کی بے عزتوں کے ہی جواب دہ ہیں۔ اس وقت ان کے لپٹے میں ہاتھ دھوئی ہم کر رہے تھے۔ کبھی ایک دم چلا کھا جاتے اور خود کیہ انسان سے بھی نہایت کیہ نہایت بن جاتے کہ کسی امانے میں وہاں ہلی سرخ ہوتے ہوتے بیٹے تھے۔

"اے! یہاں تو لوگوں سے بہتر کیہ نام نہ تھا۔ وہ اکثر میں سوزہ ہے۔ بچے جیتے دار۔ چہ اس کی لڑکی کی شادی تھی۔ ہاتھ بڑا کر کھڑا کیہ کہ سرکار صرف وہ سلف کے لیے آج ہے۔ میری لڑکی وہ جانتی کی۔ اس جواب داری یکم قابل موم کا تو ہے ہی! بھل نہ کہ فوراً سارا ہی لے کر نکلیں۔ مگر کہ تھے صرف بارہا وہاں کو مدید جاتے ہیں مگر میں نے کتنا کیا چہ اس انسان میں؟ اور ہر مسلمان بھی ہے۔ کیا بچ لوگوں کے دل نہیں ہوتے؟ یکم ضرور تھو وہ غیر صاحب نہیں یکم اور وہ تھے۔"

منصور اور رشید کچھ کہے کہ ضرور یہ وہی سارا ہی ہو کی جس کے بارے میں

میرج اور حرم کہ وہی تھیں چائے کو نے والے نے اس روپ لگائے تھے۔ بچی بچریوں فحش سے لے کر اپنے میں اچھا لے نہیں کر پاتی رنگ داگے۔

منصور بچا سے ہاتھ کر کے میں تنگ تھا مگر اس کا ہاتھ ان کے پیچھے سے مگر کر ان کے دو سرے ہاتھ پر چلی ہوئی حرم کے رہتی ہاں میں بھگ رہا تھا۔ "چلا ہاتھ چہ اس خفی کے بارے ہاں نہ کیا۔ میرج ہی بچا لے غیب لے۔ تائے ساتھ اسے اسلام میں اور کیہ نوس میں کیا فرق ہے! اللہ پاک فرماتا ہے اپنے ظالموں کے ساتھ سلوک کرو۔" بچا ایک رہے تھے۔

"تھی بھانے ہیں آپ۔" منصور نے سنے کچھ جواب دے رہا تھا۔ اس کی دہان اس وقت اس ہاتھ میں کھچے تھی تھی وہ حرم کے ہاں سے بھل کر نکلتے کر رہا تھا۔ وہاں ہی دل میں کہ رہا تھا "قند میں قلعی آپ کے ہاتھ دہشت کرنے کو چار ہوں مگر خدا را ایسے کہوں نہ سوسے کہ حرم ناز کر دور ہو جائے۔"

"اللہ پاک فرماتا ہے وہ دہان میں میرج۔ ہم پر ایک درم۔" کا اسے چھٹی میں سحر بازار دم میں گئے۔

"سودا بڑا عجیب۔" منصور نے بڑی فریاداری سے کہا۔ حرم نے اس کی انگلی میں پانچ کی پٹائی کی اور دھنا پھیل پڑا۔ بچا کچھ کہہ گئے "حرم سب سے اچھے نہ رہی۔" انہوں نے کہوں سوزی تو منصور بھی جواب تھا۔ بے چارہ حیران رہ گئے۔ انہیں شبہ بھی نہ تھا کہ یہ دونوں انہیں نہ جانے کیسے پیچھے رہتے ہاں رہتے تھے۔

"جی نے وہاں کو انہیں ہاں کی طرف جاتے نہ دیکھا سوائے فریادہ دار کے۔ ان کی انہیں بھگ نہیں اور وہی نے جس جسوں کی۔" ایک شخص انہیں میں سے بھیجے گا۔ اس نے ان کی مدد سے کر رہے تھے۔ عقلی ہو جانے کے بعد سے وہ اور حرم بچا سبب جسوں کرنے لگے تھے۔ اگر انہیں بھی چاری چاری اس کی طرف بچتے بھی تو اس میں چہ چوہا کی کو دیکھتے۔ حرم ان سے چڑی ہوئی بھی تھی مگر

جب مولوی صاحب آئے تو دیکھتے ہیں بنگالی ہے۔
 "نیکے مولوی صاحب! اپنی بھلی گھبراہٹیں "جہاں پہلے آئے"
 "اکیاسی" کھانے مری ہوئی تو اڑا دیں گدا۔

"تو آپ نے مولوی صاحب سے جو روپے لئے لیا ہوا ہے آپ اپنا سر ہلاتے ہیں؟"

جسے مولوی صاحب کی تختہ بھرنا تک بھینتی۔ یہ کھڑکی والی کی چار کھینچے چلی سوتی پر کر دی اور اس دن سے مولوی صاحب پر توہ میں دینے لڑکھڑکے بھلے دیکھتے تھے۔ ایک بار تو وہ جاتی تو جسے میں "مولوی صاحب اور کھینچوں کا دھمکی کھات کر دیتے۔"

صاف حرکت چاہوں لو اس کو کہاں اتنی فرصت تھی جو اپنی ذمہ داری اور کتہہ کھڑکی سے پر اسے پیش میں سولے ہوئے دادا میں کے پاس آتے۔ کئی کی دن گزار جاتے۔ کئی چپ کر نہ چھتا۔ لوگ منتظر تھے تب یہ میں مرنے اور ان کا دھم دھم سے چالوں میں۔ یاد کا بھر کا کھڑکے سے میں کی سسٹن ہر ذمہ داری میں متعلق تھا۔ کھڑکی کی طرف سے کل اٹھا۔ وہ یاد کے ترسے ہوئے ایک چھوڑا ہوا چاروں سے ایک اور سر پر مائل ہو گئے۔ کھنکوں دونوں میں ایسے عمل کی کرنا میں ہو گئی "جسے وہ سم من ہوں۔"

"اے بھیم کھانہ نے دانہ کھایا؟"

"میں لہائی چاول دیکھ کے دیکھ کے چاہے ہیں۔"

"اگر کھانہ نہ ہوئے۔" کھانہ چاول پر حد نہیں لگائے گی۔ اسے کہوں ہو۔" اور دونوں سر ہوا کر کھانے کو کہوں کھاتے۔ وہ ایک دان کھائی تو جسے میں کو بھول کر نہ چھوڑتے۔

اور ایکسٹن جسے میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب کھڑکی والی نے انہیں داخلی کے ساتھ "وہ سر" ہاتھ سے کھڑکے کا پکڑے۔ میں میں یادوں کے پاس دیکھا تو بیکھیر کر کھلی گی۔

کوئی میں ہم بھٹ چا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ رات کو دادا میں نے کھ کی ماں سے کھان چا ہوا۔ میں بازار مرشد تک میں اور سرداری کو بھی میں کا اڑا ہوا سو روپے صینہ کراہ آتا تھا۔

"میں نے کبھی تھی "وہ ایک جڑا ہے۔" بھٹی لی نے کہا۔ حالانکہ یہ بھٹی کوئی انہوں نے اسی دم کھڑکی تھی۔

بھٹی کھڑکی میں اور دادا میں کے چھپے تھے والے تک میں کا حرکت دیتے۔ ایک شوخ قسم کے فوجوں نے فوج پر نظم تک کہ والی۔ حالانکہ وہاں کی بے ہوش سے تھک کر جاتے میں نے اپنی طرف کے دروازے میں بھٹیں چھوڑا ہیں۔ سب کی صحت پر کھلا کے جاگ اٹھی۔ اور دادا میں نے صاحب کا پیچھا کیا۔ یہ عرضی ہانے کے ساتھ کھنا صاحب نہ کھا کھائے کھڑکی میں کے چھوڑ میں آکر رہی تھی چاہوں ان دے والے۔ اور ملت کے پیش میں بنگاری چاہئے۔

کھان کی رات جب صفحہ عبادت کے بعد تھی دم کر کھان میں ان کر مہمان رکھے تھیں تو وہ اور کھو دو معلوم چاں کی طرف گئے میں باپوں والے ہے خبر وہ رہے تھے۔ پھر وہاں دوست کر کے کھڑکی میں پر توہ میں اپنی مخصوص بھٹی پر نہیں آیا معلوم ہوا کہ کھو ایک بھٹہ تھک کر بھٹی میں تھی ہیں۔ یہ اختیار کھان میں اپنی رات کے تھے ڈراؤنے تھے۔ انداز پھاڑا ہوا بھٹ کر مہمان میں بھٹکوں کی طرف پھیل گئیں۔ "وہ بھٹی چھ تھی" بری ایک ایک کر کے ان کی پکڑنا ہی پر کھڑے تھیں۔ عرضی کیا تھی۔ رجم بھی تو سم من ہی تھا۔ منہ ہی سے اول ہاتھ کی دن دار وہاں سے چھپاتے ہوا تھا اور ہر کھڑکی انہیں میں کی فوجوں اور سخت بھٹی پر وہ بھٹی ہوتے۔ ہر کھڑکی کے کھنکوں کھنکوں کھنکوں کھنکوں ہوتے۔ ہر بھٹی دنا آکر گی۔

کھڑکی میں کا کھو پھٹے گا۔ مرشد والے کی بھٹ نہ زنی تھی بھٹی سا میں روکے گی۔ مجھے ہر سڑا کی طرف کھڑکی میں نے اس نے کھڑکی بھٹی پر ہاتھ لگایا۔ یہ کھٹہ ہر کھڑکی طرف کھڑا ہوا ہے ہر کھٹہ ایک اچال کوئی اس بھٹی

چلتی رہتی معصوم لگو اور بد نصیب ہاں کے وہ جو کو پٹ پٹ کر گئی۔



غیند

ایک دم رات اٹھا سے ڈیڑھ سنیان اور تھی ہوئی معلوم ہوئے گی۔ وہی رات جو چند گھنٹے پہلے نکلے میں چور پچھڑی کی دھن کی طرح بھر کر رہی تھی نکالیک بڑھی اور جھڑپیں لگی۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنے ہاتھ جو سوتے تو جھڑپوں کے بھاری سرکا ہو جو ذرا کھٹکا کر اور قریب کر لیا۔ وہ بے سادہ سا رہا تھا۔ اس کی لمبی لمبی سٹائل جاتھیں مسی سے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ ایک ہاتھ پہلو کے چھپے مڑا ہوا تھا۔ دوسرا بھاری شہر کی طرح اٹکے چنے پر چڑا ہوا تھا۔

کپڑی نکال کر سا رہا تھا نیک بندہ! اگر اس کی سرسبی آٹھیں اس وقت نکلی ہوئی ہو تھیں تو کھسکا ہوں کے لئے اس کی جاکوں پر لٹک جاتے اس کے صندلی گاہوں پر غلط رات کی سہا پہنک آتی تھی۔ لب واسے اور دھن کی مٹھی مٹھی صک کر رہی تھی۔

نو عمر کا سا رہا تھا اور وہ چاہ دی تھیں۔ اس کی گہری چند پر انہیں شہت سے دلک آ رہا تھا۔ ان کے بازو پر رکھتے ہی وہ فوراً "سا کیا تھا اور خزانے لیے نکلا" بالکل دودھ پیتے چنے کی طرح اس کے خزانے نرم و نازک و غنوی کے سروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے شانوں پر مسلسل چڑھتے سے ایک بھلی سی گرم لہریک چلتی تھی۔

وہ چاہ دی تھیں۔ یہاں کہ ان کے جسم سے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ کتنا دور تھا! نکلے مہاں درمہاں میں گہری گہری کھانچوں کی طرح مائل تھے اور زندگی کی سگورج تری شہ کو ہاتھ میں بٹرسے اس کے ہونٹ پر دم رہا تھا۔ اور ان

سے باہر۔۔۔۔۔ کچلے پھینوں کی مٹتی ہوئی خیمہ میں نعلانی ہوئی تھی کبھی دھرتی کی کو
میں۔۔۔۔۔ وہ خیموں کے حوالے ہوں انہیں چھوئے اور چھٹی کے گوند سے ہونے
وہ تڑا تڑا گھوڑوں کی طرے ایک دو دوسرے میں الجھتے ہوئے۔۔۔۔۔ ان کی بے رونق
آنکھوں میں کچلے ہوئے انگوٹوں کی طرے پھینتے رہے اور چھو ان کی بوڑھی آنکھوں کی
بڑھ چڑھ جانے کہاں جا سکتی تھی؟



تخصی کی جاتی

منہ کی دلی کا ہاں آپ کا نام تو اٹھ جائے کیا تھا۔ تو کوں نے مجھی انہیں اس نام سے یاد نہ کیا۔ جب پھر وہی گلیوں میں چلے گا تو پھر بھی مجھی تو جہ منہ کی دھڑا کے نام سے پکاری گئیں۔ پھر کچھ دن "شیرے کی بو" گلی میں پھر "بسم اللہ کی دلی" کے قہ سے یاد کی جائے گئیں۔ اور جب "بسم اللہ" جانے کے اندر ہی منہ کی دلی کا پھر ذکر چل ہی تو وہ "منہ کی دلی" کے نام سے آج بھی یاد ہے۔

وہاں لاکھوں ایسا پیشہ ور تھا جو زندگی میں "نصیحتی مافی" نے اختیار نہ کیا۔
 انہوں نے انہیں بھگوان کے لیے سب سے زیادہ سچے گھر میں دو دہائی کی روٹی اور پائے
 کپڑوں کے عوض اور کے کام پر واپس آگئے۔ جو کہ کام تھا وہ آتا ہے۔ یہ کہ
 مینٹ کوئی کی سب سے کام پر جوت ہے۔ وہ جانے والے ہی جانتے ہیں۔ سچے میں
 کے آئے سمجھا جائے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سب سے سچی مافق
 عمل کے کام کی طرف سے آجاتی ہے۔

زندگی کی دو ٹوہٹ میں کچھ بھونکتا بھونکتا بھی تھا اور زندگی کے کچھ سال
 ہاتھ کے میں بیت گئے۔ ہر شب وال میں چابی بکھار دی اور دونوں میں کھینچ
 پونے کھینچ لے بکھار دیا۔ رچا ہوا چٹا۔ اس کے بعد تو کبھی کی ٹالی بس لگائی۔ کھینچ
 کرنے لھر کی بات اور بچپن کے سوا اور کسی کرم کی نہ رہی۔ یہ لنگھتی بچہ کی
 دھڑکی خامہ سوانح خلی ہو آئے۔ علم کی کھنٹ پت بلیاتی رہتی ہے۔ کھال یک
 میں جا کر اگر ہوشیاری سے تجزی کی جائے تو خوب خوب خاطر دارات ہوتی ہے۔

2014年12月

وہاں کے مردم و گرم کی عادی بنی ہے آئندہ یہی کرشمے کی کمر باندھنے لگا
چلائے گا اور اسی چال کو صبر کے پتھر پر ہی - وہ چاروں لوگوں نے گڑبگڑائے

مکر خدای شریف زاری و بیداری و بیداری و بیداری (مغنی کو بیداری)

محمّد بن عبد اللہ بن علیؑ

”یہ سب کچھ میرے لیے ہے“۔ ”وہاں سے تیار ہو جا“۔

111

جہاں ہمیں! زندگی میں کوئی کل پیدا ہی نہ تھی۔ کہانت کہانت کا لٹنے تھا۔ مرنے کے بعد میں میں بھی غلی اکر رہی لائی گئی۔ بڑے کچھ بھی پر بھی اکر رہا جسکو یہ جانے پورا۔



شخصیات جنہوں نے مجھے متاثر کیا

کچھ میں نہیں آتا اپنے متاثر ہونے کا الزام کسی کے سر قہوہ ہوں۔ وہ مہیاں دلوں کا خیال تھا کہ میں پورے پر اپنی خیمیاں دلوں پر گئی ہوں تو نہ سے شیعہ تھی دال کھانے والے مگر خیمیاں دلوں کو قہیں تھا کہ میں سو فی صد وہ مہیاں دلوں پر چڑی ہوں وہی اپنی پیم بھی جیسا تھا اور مگر بھری زبان۔ ہاتھیوں کی لہرو سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے!

لیکن اگر کوئی میری اہلی سے پوچھتا کہ چنی کو کیا ہو گیا تو وہ لفظی سانس بھر کر کہیں: "وہ مہیاں کا قصور نہ خیمیاں کا۔ یہ سب نصیب کا پھیر ہے۔"

ایسی صورت میں کسی کا ہم نے ہوں۔ دو سو۔ جس سے میری ہستی دلوں میں اتنی قہیں نیز مہیاں تھا۔ ضرور ہونے پڑے میں کہیں بھول چوک ہو گی۔

مگر کچھ ذات خود اس بھول سے کوئی شکایت نہیں۔ جہاں میری ذاتی خواہش ہوئی۔ پھر پھر چوں کے ہم ظہر میں ایک پچھوہ چہی کی طرف توجہ پائی۔ نہ لڑا ہوئے نہ لڑے نہ کبھی توجہ نہ سے ہونے نہ لڑا لڑی گئی نہ کبھی لڑو کہ کسی کی زندگی کا اہم حصہ محسوس کیا۔

بہتیں چرنگہ پڑی اہل کہیں اپنے بھائیوں کی صف میں چلے گی۔ خیمیاں کو رہا دانہ انہیں کے ساتھ گلی اعلافت پائی اور پائی خیمیاں کر کر رہا۔ پڑھائی بھی ان کے ساتھ ہی ہوئی۔ کچھ پچھوہ تو اصل محرم میرے بھائی ہی تھے جن کی صحبت نے کچھ لڑائی کی طرف آزادی سے سوچنے پر مجبور کیا۔ وہ شرم و حیا جو عام طور پر درمیانے طبقے کی لڑکیوں میں لڑائی صفت کبھی جاتی ہے نہ ہوتی۔ بھولی سی مہر سے وہ پت

اور عطا ہو گیا کہ سلام کرنا شادی کے ذکر پر شہانے کی عادت بھائیوں نے بھیڑ
 بھیز کر پڑنے دی۔ وہی۔ سوائے عظیم بھائی کے سب ہی گھر میں چلے جاتے تھے۔
 کہنے کا کہہ دو درجہ پادشاہ اور بادشاہ۔ انہیں میں بھینس پھینس سے سے کھلے زبانی
 ہوتے تھے۔ دوسرے کی دھجیاں اڑانی جاتیں۔ بچے بچے کی زبان سنا کر رکھی تھی۔
 اپنا پیش لے کر ڈاکر کے سے سو روٹی گھر میں رہتے تھے۔ کھلی ہوا میں اڑنے
 کے بعد ایک دم سے نہایت بے پرواہی کی تھیں سے واسطہ نہ تھا۔ کھلے فٹ بال
 اور کھی داتا اور کھلے اندر کھلے پڑے شادی کی بے پرواہی تھیں۔ اور ان تھیں ہوتی کہیں
 میں پٹے والی تھیں تھیں غیم۔ موقوف فریادیں اور اپنے دل کی دھڑکن سے سم جاتیں۔
 میری ان فریادوں سے باہل نہ تھی اور میں دیکھوں سے بھی نہیں تھی جو مجھے دیکھوں پر
 قافی نہیں بھرنا کہ کر بیت لڑا ہوا جاتیں۔

”کوئی بڑا“ چھوٹی کوئی بڑا ہے کہ سوا بارہ توہ۔ توہ۔“
 اور میری ان جان ”فطرت عالم“ نہیں روگ چار میں چھوٹے تھے۔ خرم
 کے بارے میں پتلی ہو جاتیں۔

اور ڈاکر سے کی ان ہوا دیکھوں میں چلی دار مجھے اپنے لڑی ہونے کا مصد
 ہوا۔ صورت نہ اسے کہیں پورا کی ”میں میری بیٹی“ مجبور و عظیم ہستی کی کیا ضرورت
 تھی؟ دھوئی روز و رات کو تھی تھی۔ صحتی کے آئے ہوئے ڈاکر سے تھے۔ پاس
 چوس کی قسم اور میں آئے دن اپنے خوابوں سے ہوتے کھانا کرتی تھیں اور میں
 خدا سے بگڑا کر مانا تھی۔ اسے لفظ پاک مجھے ڈاکر کا دوس کہ میں بھت پر چنگ
 ڈاکر سے نہ پاس تھیں میں کبھی نہیں سکوں اور آواز ہی سے بندوں کے پیچھے
 بھاتی بھوں۔ کر ڈاکر سے میں کبھی نہیں یں تھیں میں کہیں میں سوائے دور اور
 قریب کے دھتے دار بھی رہتے تھے جن سے لیں لڑا کرتی تھیں۔ جب تک دوسرے
 شہروں میں وہ آواز ہے ”اپنے کہنے میں آکر تو جیسے جیادیاں پڑ گئیں۔“

مگر مجھے ڈاکر سے کی ان شرعیاتی فریادوں سے مجبوراً پہنچے ہونا پڑا اور مجھے
 معلوم ہوا کہ یہ ظاہر میں بھولی نظر آئے والی فریادیں جانی چل رہی ہیں۔ پھپ پھپ

کر وہ کھل کھلائے جاتے ہیں کہ اپنی توبہ۔ دیکھوں کو بھینکوں میں لوجہ کر گئی کے
 لوجہوں سے خوب خوب دھنکیں پڑتی ہیں۔ مجھے اس ادنیٰ زندگی سے جی کرابت
 تھی۔

ڈاکر سے کی تکرار عطا سے ہل دی دیکھا بھٹت ”کھا اور ہم دوگ علی کھڑے منتظر
 ہو گئے۔ ایں کو بھی کچھ غلامان دلوں سے دھشت ی ہوئی تھی۔ علی کھڑے کی
 تھیں ہوا میں چل رہی پر اپنی زندگی موت تھی۔ وہی پھوس کے چنگے ”کی کا کھڑا اور
 ہر سے ہر سے کھیت“ اور ان تھیں میں تھیں ”کھیت“ چاہا ”کھیتوں پر چھنا۔ اور
 ہر کے اپنے لڑی ہونے کا غم نہ رہا بلکہ لڑی ہونے کے کچھ فائدے سے نظر آتے تھے۔
 مثلاً ایا کام تھا کہ لڑکیوں کی پائی نہ کھیتی جاتے اور نہ ان کی ہاتھوں میں اگلی ڈال
 کر بیٹھے دے جاتیں۔ فریادیں ڈاکر میں تو سزا کے لکھت کی جاتے“ صاحب سزا
 دی جاتے کی۔ فریادیں کھل میں غلامان ہی ایک لڑی تھیں جس کی ”کھیتوں پر چھنا
 کے دربار میں آئے دن پیش کی جاتیں“ تھر بھولی آتے بدنام ہو چکے تھے کہ ”عوام“
 ہمیں سزا دی تھی ”لے دی دھت دے جاتے۔“

”علی کھڑے“ تھر عظیم بھائی کے دھو کا احساس دن دن جھٹکا تھا۔ خدا جانے
 انہیں تھ سے کیوں ایک دم ”دھنکی پڑا ہو گئی۔“ مجھے تو پڑے بھولی نیم بھت سے
 اٹھتے تھے تھے۔ ان سے دار کھانے میں بھی سزا آتا تھا ”کھیت“ وہ پچے اور مھانہ
 بھی تو پڑتے تھے۔ عظیم بھائی نہ پچے دیتے تھے نہ بھینس دیتے تھے ”بھتی خیر کی سے
 بات کرتے۔“

اور ہمارا انہوں نے مجھے ڈاکر اور انگریزی پڑھانا شروع کی۔ یہ یاد نہیں رہا
 کہ ابتدا کیسے ہوئی ”مگر آواز پڑا کہ تھر عظیم کو زب ”و کام سے مجھے ہارے آتے تھے
 تو اپنے برکتوں میں چنگ پر لیت جاتے تھے اور مجھ سے کہتے ”دور دور سے چھ۔“ ہر
 ڈاکر دوست کرتے ”لہا“ لہو ”لے“ اس کے بعد بائیں کیا کرتے۔ دار میں کیا جاتیں
 تھیں جن سے ابتدا ہوئی ”بعد میں تو حدیث و قرآن کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔
 ان کا پڑھانے کا طریقہ عجیب تھا ”کوئی ڈال دیتے کہ اس کا ڈاکر کرنا“ ”انگریزی

سے لہو میں اور اردو سے اگر چڑی ہیں۔ اس دس ملے زمزمہ کر اٹاتے۔ بلویں کا
 زمزمہ کرنے میں کسی قافہ ہوتے تھے۔ ایک تو یہ کہ چری بلبل کا زمزمہ کرنے
 سے پہلے بلبل غم کرنا پڑتی تھی اور اسی زمانے سے لگے شدت سے بلبلیں چہنچہ
 پکر چہ کیا۔ ساری ساری رات بلبلیں گمگماتی چہا کرتی۔ مگر اس زمانے میں میں
 نے بھی بلبلیں چہنچہ خاک پہ نہیں چڑا تھا بلکہ چہنچہ پڑیں۔ بارانی وہ پہلا
 بلبل تھا جس نے پہلی عظیم بھائی کو مل کر لیا۔

اس زمانے میں عظیم بھائی نے لگے لگے اٹھ ساڑھن کیا کہ میں بالکل ان کی توازن
 باز نہ رہتی تھی۔

”مسعود کے پردے میں خدا ہل رہا ہے۔“ یہ میں بولتی تو سب چراتے کہ
 یہ میں نہیں عظیم بھائی بول رہے ہیں اور عظیم بھائی نے بھی میری ناگہی سے
 قافہ اٹھایا۔ وہ بات یہ وہ خود نہ کہہ سکتے چڑی وہ شہساز سے میرے کان میں اٹل
 رہتے اور میں بہت سے کہہ دیتی۔ اس دور میں پہلی علامہ ان دنوں کے انہوں نے
 لگے خوب بھڑکایا۔ میری طبیعت یہ پہلے ہی خود سر اور ضدی تھی ان کی شہ پار
 اور بھی قافہ سے باہر ہو گئی۔

وہ ان دنوں کانٹن چہ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک کارخانے میں
 نوکری بھی کرتے تھے ”مضمین بھی لکھا کرتے تھے۔ اس قدر محنت کرنے کے بعد وہ
 رات کو لگے کئی کئی چہنچہ چہا کرتے۔ کبھی رات کو بولی کبھی چہنچہ میں دور نہ آئی
 ہاتھ ہی اٹھتے۔ ان کی یہی جی ان کی چھاتی پٹکا کرتی اور وہ لگے چہا کرتے۔
 انہوں نے بھی مجھ سے سڑا ہی دوائے کہ میں کہا اور میں نے بھی کبھی ان کا کوئی
 کام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کی۔ یہ سب بھائی ہو تھے اس لیے مجھے چہا نہ ان
 کا فرض تھا۔ ایک واقعہ ان کی بڑی شدت کا کھانی کا دور چہ گیا۔ وہ دیکھتے ہو گئے اور
 چند ملے کا زمزمہ غم نہ ہوا۔ لگے بھڑک اٹے گی۔

”میں نہیں چہنچہ آپ سے“ آپ لگاؤ کھانتے ہیں۔ میں نے جمل کر کہا۔
 ”سبہ واقف کہیں کی کیا ہم جان بوجھ کر کھانے رہے ہیں۔“ انہوں نے

جس کر کہا اور وعدہ کیا کہ اب میں کھانیں گے۔

پتا نہیں انہیں میرے مستقبل سے کیوں دلچسپی ہو گئی تھی۔ بھڑک کرنے پر
 اس قدر خوش ہونے کا اپنے بچنے کے یہاں ہونے پر بھی نہ ہوتے ہوں گے۔ چلیوں
 میں انہوں نے مجھے اپنے گھر لایا۔ اب وہ خود چہر میں دکھاتے کرتے لگے تھے۔
 ان دنوں انہوں نے مجھے قرآن کا زمزمہ اور حدیث پڑھنے میں مدد دی اور شاید کیا
 بلکہ قصص میں نے ان کے افسانے چہ چہ کہ خود بھی چہا کر لکھا شروع کر دیا۔
 قحط اسماعیل، جنوں گور کچھوری اور نیاز چہروری کے افسانے چہ کہ ایسا معلوم ہوتا
 تھا کہ یہ سب کچھ میرے ہی ادب سے رہی ہے۔ اور پھر میں نے خود کہ افسانے کی
 تہذیبی قصہ کر کے لکھتے چہنچہ تھے قحط کے واقعات لکھا شروع کیے۔

حظ میں بہت خواہمورت ہوں بالکل قحط اسماعیل کی تہذیبی کی طرح ضدی
 بل ’بللی آنکھیں‘ قحطی رنگ کا لہو لوزی سے نیم دراز ہوں ’تہذیب آتا ہے۔۔۔ میرا
 پہلا تہذیب کا لہو ہو نا تھا۔ شاید اسلئے کہ اس زمانے میں انگریز ایسا غیر مزہ ہو نا
 تھا جو گھر میں آکر نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ یہ انگریز لڑکی طور پر بہت مضمین ہو نا تھا۔
 رات بھر میرے سرہانے بیٹھا رہتا۔ میری حالت غراب ہونے پر زائد تھا رو نا
 سہ لہانہ لگے چہا اور میری مضمین موت پر دھماکے مار کر دو نا اور عمو نا خود بھی
 کر لیتا۔ کیا حوسہ دار ہوا کرتی تھیں یہ کہتیاں۔ انہیں کھینے میں اتنا ہی لطف آتا تھا
 جیسا چٹ پی کھانیاں پڑھنے میں آتا ہے۔ چہہ دھانی لال میں سب بہرہ تہذیبی کے
 لوں کا ہوسہ لہتا ہے تو پڑھنے والے کے پیٹے چھوٹ جاتے ہیں یہی حال کھینے میں
 بھی ہوتا ہے۔ عمو نا انہی کہتیاں کہہ کر میں تو نا چہا نا کرتی کہ تکہ لگے معلوم تھا
 وہ لکھتی ’جی اور اگر کسی نے چہنچہ میں تو وہ نا کارگی ہو گی کہ نہیں۔“

مگر نہ جانے کیوں بلکہ کہہ کر وہ چہنچہ پڑھنے میں لطف آتا۔ ایسا معلوم ہوتا
 کہ چہنچہ میں نے نہیں کسی اور نے لکھی ہیں اور واقعی وہ میری تصنیف نہ تھیں
 اور نہ میرا لہو تھا۔ میں بلکہ وہ ان کہتیاں کا لہو تھا۔ میں تو لگے بکا بھی تھیں۔
 انہی کہتیاں کا میرے سرہانے اٹھارہ چہا ہو گیا اور وہی ہوا جس کا مجھے خوف

تہذیبی

قد

ایک دن عظیم "ہو" عمر میں تھے سے سال دواہ سال بڑے ہیں "سیرے پنگ" بے
 لیت گئے۔ سوائے کاتھ سرسوائے ڈال کر پختہ گئے۔
 "آپا" جتنی نے کیا کدی کدی ہاتھ لگتی ہیں "توبہ توبہ"۔
 عظیم سورتے زور زور سے چڑھنا شروع کیا:
 "ڈاکٹر جیل نے اپنا طریقہ برحق ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور میرے گھٹی
 ہو گئیں۔"

میں پاس ہی قفل خانے میں غار ہی تھی "سر میں دین ال بلی تھی" انورا
 دیوان نہیں کر سکتی کیا حالت ہوئی۔ یا خدا اگر ایک سطر اور آگے چھ لی تو ہر ادب
 مرے کے سوا نہیں لھکا نہ رہے گا۔

ہریت زور ہو کر میں نے قفل خانے ہی سے وہ زور زور کی چٹکی ماری کہ
 سارا گھر ٹل گیا۔ نوک کچے شاہ سواری سے منسوب نکل آیا اور مجھے اس لیا۔ عظیم
 بے چارہ کاتھ پچھک پچھک کر میری جان کی خبر ماننے لگا۔ میں نے اسے سیدھے
 کپڑے پٹے اور باہر نکل کر عظیم کا منہ توڑ ڈالا۔ وہ بے چارہ ہوش نہ بھڑا کر رہا
 کیا۔ آگے اسے چھٹے کا ہوش ہی نہ رہا۔ وہ خود میری زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔
 میں نے اسی وقت سارا پلندہ جدا کر خاک کر دیا۔ عظیم نے بہت کتنے کی کوشش کی
 کہ میں نے نہایت گندی کتابیں لکھیں تھیں مگر میں نے بھلا دیا کہ زبرد تھا۔ وہ
 بے چارہ پہلے درجے کا بھڑا مشورہ تھا اس لیے کسی نے بھی نہیں نہ لیا۔

اب بھی اس خیال سے کوہٹ ہوتی ہے کہ اگر مجھے عظیم کے کوئی دوسرا
 بھائی چاہ لیتا تو واقعی قیامت آ جاتی۔ بس اس دن سے میں نے توبہ کی کہ اول تو
 انکی بے ہودہ کتابیں لکھوں گی ہی نہیں "ہو" اگر لکھیں بھی تو فوراً چھڑا دوں گی۔
 حالانکہ اب اگر غور کرتی ہوں تو یقین آتی ہے۔ ان کتابوں میں تو کچھ بھی نہ تھا
 سوائے لوہی چڑھا جانے کے "ہو" مجھے نہایت پس پسی تھی گئی تھی۔

پھر کئی سال کچھ نہیں لکھا۔ لی۔ اسے کہ بعد دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ چار

سال میں انہیں کتنا چاہا ہو جاتا ہے! بڑک کے بعد چار سال میں نے نصاب کی
 کتابیں مجھ پر "چڑھیں۔" یعنی ڈال دو اور انکی سیرے سے لے کر ایمن اور برادر شاہک
 بہت کچھ چھو ڈالا۔ برادر شاہ نے میرا دل ٹھکی میں نے لیا۔ میں نے اپنا پہلا مضمون
 "آرٹا" "نصابی" برادر شاہ سے دو درجہ جتا کر رکھا۔ مگر میں نے اپنے ارد گرد
 سے لیا اور اینٹ لگوا برادر شاہ سے۔ لی۔ لی کاس میں میری ہم عصرت خدرا میر
 مجھے برادر شاہ کہ کہ خوب چڑایا کرتی اسنے میں نے فوراً برادر شاہ کے گلے سے نکل
 کر کتابیں لکھا شروع کیں۔

اور زندگی کے اس دور میں مجھے ایک طوفانی ہستی سے ملنے کا موقع ملا جس
 کے وجود نے مجھے یاد کر رکھا دیا: روشنی آنکھوں اور مسکراتے "قلقلہ چرے والی"
 رشیدہ آپا سے کوئی ایسا خاک ایک دھڑل کر رہنا نہ چاہے۔

بلی دھڑ میں نے انہیں نہ جانے کون سے جیسے میں دیکھا تھا۔ یکم بھوپالی
 صدارت کی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ لڑکھائے چاندے میں پیریاں سونے سونے
 ہوا شالے اور کوٹ ڈالنے پڑاں کے اندر سون سون کر رہی تھیں اور رشیدہ آپا پیچھے
 آستین کا ہلاؤ پٹے دھواں دھواں کچھ کہہ رہی تھیں۔ ان کے سپاہ بھڑا اور
 گھر گھراٹے بال ہوا میں اڑ رہے تھے کیونکہ تقریر شروع کرنے سے پہلے انہوں نے
 سامنے کی کرسیوں کو دل ہی تھی۔ وہ پیاں پچھا رہی تھیں "من کے کتے ہوئے پاؤں پر"
 پیچھے آستین کی ہلاؤ پٹے "اور کھلی ہوئی کرسی سے آئی ہوئی ہوا پر" مگر ان کی تقریر بھی
 شاید کچھ کم خداداد نہیں تھی کیونکہ تقریر کے بعد انہیں یکم بھوپالی نے خوب ڈالا۔
 اس دن ان کی بے حیائی اور بے ہوشی کا تسک بچ گیا تھا اور میں نے بے کچھ بولے
 ان کے ہر لفظ کو سوتی کچھ کر پھین لیا تھا۔

۱۹۸۸ میں رشیدہ آپا انگلینڈ والی رشیدہ جیسی بن چکی تھیں۔ اب ان کی
 سکتی ہوئی باتیں بچے بھی پڑنے لگی تھیں۔

اور پھر وہ میرا مبین "ڈاکٹر زور" "شعی انگلیاں" "بارگی کے ٹھونے اور قرچی
 لہاوتے پھر ہو گئے۔ سنی سے سنی ہوئی رشیدہ آپا نے تک سحر کے سارے بہت

مردم کو دے۔

دعائی علی بن سائے آکر کھڑی ہو گئی۔ ان سے تمہیں باغی کر کے بھی بی
مرد نہ آ۔ بی چاہتا انہیں کہا جہاں۔ کیا کہو؟ وہ رشیدہ آپا سے مل چکے ہیں۔
انہیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر وہ ہماری کھانوں کی تہیاری سے نہیں تو دونوں
جڑواں بہنیں نظر آئیں گی کہ انہیں اپنے طور پر میں نے رشیدہ آپا کی کوٹھار
افسوں کے چالچل میں غلامدار کے میرے قصور کی دنیا کی بھڑائی دی ہو سکتی تھیں۔
مگر اب اور سے اپنی کھانوں کے بارے میں سوچتی ہوں تو مطمئن ہوتا ہے کہ میں
نے صرف انکی بے باکی اور جفا کوئی گرفت میں لیا۔ ان کی ہر ہر پہلی
غصہ سے میری ہوا میں نہ آئی۔ مجھے دہائی ہوسکتی۔ حرم کے بچے جتنی بات کر
نہایت سے جوش سے فخر تھی۔ غلام غلام کی دقت اور وہ جملہ خواہاں۔ ہر شرف
عورت کا زور بھی جاتی ہیں۔ مجھے نسبت مطمئن ہوتی ہیں۔ نہایت سے مجھے سخت
کوئی نہ ہوتی ہے۔ جتنی غصہ وہ آپا میں ہو گئے۔ نہ لگے اور نہ بھانپے نہ کیے۔
جتنی میں شہر کی جان کا لاگو ہو جاتا۔ خود کئی کرتا اور لپکا کرتا میرے ذہن میں
جائز نہیں۔ جتنی غصہ دل و دماغ سے نہ کرتی کا دواگ۔

سب میں نے رشیدہ آپا سے سیکھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ رشیدہ آپا بھی
بڑی سوائے ہی بھاری نہ سکتی ہے۔

ملک کی عظیم کے بعد سوائے شہادت کے اور کچھ دامن میں پاتی نہ رہا۔ ملک
نکرا دیا کھری اور اس کے ساتھ کتنی ہی عسکری و ہنگامہ قدر میں چار چار ہو گئیں۔
مقتدی لوب کے غصے نے اور زیادہ گزرا دیا۔ کیوں نہیں اور کیا نہیں کے
نہیں میں چ کر اور بھی راست کم ہو گیا۔ انہیں ترقی پندہ متعین نے بہت کچھ دیا
اور بہت کچھ دیا۔ کتنے سے سامنے سے اور پرانے پھڑکے۔ اور پھر وہ شرف
نہ رہی جس پر آہنا نہ تھا۔

انہیں کے ہر بچے اڑ گئے۔ یعنی گروپ 'ب' کی طرف لوگوں کی ٹھہریں اٹھا
کرتی تھیں۔ غصوں میں غرق ہو گیا۔ ظاہر ہے صرف رماؤں کیلئے کہہ کر روزی

میں کھائی جا سکتی نہ ہاؤں اور افسانوں کے مجموعوں سے پہنچ کا غرور چل سکتا
ہے۔ ظہر ہی ایک ایسی لائن ہے جہاں اگر ہاتھ لگ جائے تو غم چاکر دہائی کا سارا
ہو سکتا ہے۔

غصوں کیلئے گھٹتے وقت مطمئن ہوا کہ میں نے بے باکی کی دھونس پاتی ہے اور
نہ صرف کوئی کام آتی ہے۔ یہاں تو وہ ہرج مہرج چاہتا ہو پھر بھار کر دلت لائے یہاں
ایک خاص بدھ کی گھر کے مطابق چلتا ہو گا۔۔۔ لڑا چلے والے چلے اور
ناک کے مل چلے۔

شہادت کے بارے میں تقریر سنی جاتی ہے آگے نہ بڑھ پایا۔ "وہابی" اور
باغی۔ "اور" "جڑواں" سے زیادہ دھونس کر پائی اور نہ لگے پائی "مگر ان دو مشائخ
کو گھٹتے وقت میرے دل نے بڑے زور کی تھوڑی لگائی۔ اس وقت تک میں نے
جتنی کہیں کھیں تھیں ان میں باپ یا تو تھے ہی نہیں۔ اگر تھے تو نہایت غصوں
ی تھے۔ انہیں نظر انداز کر کے ہی میری دانست میں ان پر غصہ پائی جا سکتی تھی۔
والہرین سڑک کا دروازہ تو ہیں ہو اوار کے راستے میں رکھتے کے ساتھ کچھ نہیں بڑا
کرتے۔ "یہ نہ کو" نہ نہ کو" اب تک میرے دماغ میں بسا ہوا تھا۔ لیکن کچھ نہ ہو
میں نے گھٹتے وقت میں نے اپنی ماں کو دیکھا۔

سب انہیں اکیلا چھوڑ کر پاسن جا چکے تھے۔ میں ان سے ملنے جودہ اور
گئی۔ اسی عوارے والی مکان کے سامنے ایک ٹھہر سے کمرے میں غفل ہو گئی
تھیں۔ دارا بیاہ سچا مکان ملے ہیں کے چلتے میں تھا۔

یہی نیکی تو اظہارِ احسان ہوئے کمرے میں میری اسی بیٹی تھیں۔ اسی کو
میں لوگوں کو بڑے چالنے کی بھی فرصت نہ ملی۔ مجھے نہیں دواؤں سے پہلے بھی
انہوں نے محبت کا اظہار کیا ہو "مگر اس وقت مجھے دیکھ کر وہ بچوں کی طرح چہرہ
چہرہ نہ کر دئے تھیں۔ اسبند قلم کے ڈھانچے میں ہار میں نے دیکھا وہ خاموش
تھیں کہانی سے اسبند گھر کو تک رہی ہیں جہاں میرے بڑے خاندان کے ساتھ ہم سب
ٹکی غرق رہتے تھے۔ بچے خالی نہیں بھرے تھے۔ لڑائیاں ہوتی تھیں۔ ملاپ ہوتے

میں نے ان کی عمر کی طرف دیکھا اس کیلئے ہی کو دیکھتے سونے آئے ہیں
بچے پر اگر کے بھی وہ اکیلے تھیں۔

میرے دل میں پیار کا طوفان اٹھ گیا، جاک اٹھی۔ میں نے اپنی ماں کی
طرف دیکھا، پھر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور ان دو عورتوں کے چہرے میں خود کو بکڑا ہوا
پیدا۔ اپنی ماں کو دلچ کر گئے پہلی دفعہ ساری دنیا کی بیویوں پر پیار آئے گا جو دنیا کو
بیانی ہیں، سر سر کر ہم دیتی ہیں، انہیں پائی پستی ہیں، یہ کچھ ان پر چھوڑ کر گئی ہیں
نہ ان سے استغاب کھاتی ہیں نہ بچے کا کھڑا ریسو۔ اب اگر اولاد ان کے پوجا پے
کا خیال کرے تو فرما ہوا ہے، یہ اپنے پاں پاؤں کے غریب سے بچے تو عبور
ہے۔ پرانے زمانے میں جسے ہر آدمی کو لوگ پیار جنس کچھ کر زندہ دلان کر دیا
کرتے تھے۔ یہ سلسلہ پوجا کس قدر سبب ہے!

اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری اپنی ماں سے طاقت ہو گئی اور کچھ سونے
ہوئے نہ جاگ اٹھے۔ ابھی کہتے نہ تھے جو عہد، خاصاً ہی سونے پڑے ہیں۔ کون
جانے کون سے سے ستر کا دور پیدا ہوں گے، ان کی چوت سے بہت سی تبدیلیاں ہوئیں
کی۔ میرے ہونے پائی پر کالی ہم جاتی ہے، ایک عمارت کا کھڑا کرا ہے، کالی
پہنت جاتی ہے۔ جھکاؤی دنیا کا عرصہ پائی کی سٹار، نو دینے لگا ہے، انسان ایک
قدم آگے بڑھا ہے!



صحت کے مسئلے کا جواب کے طور کی طرح، چچا اور چچا اور
نظر آئے ہیں۔ کچھ کے مسئلے اس دور سے عقلمند ہوتے ہیں جو
جوریت میں ہے۔ اس کی دعا میں ہے۔ اس کے دل میں ہے۔ اس کے
قاریوں ہے اس کے اہل میں ہے۔

(کرشن چندر)

صحت کی طبیعت اور ادب کے لئے بحث فرمے۔ انہوں نے اہل
انہی پرانی طبیعتوں میں دینے لال دینے ہیں۔ کہ اب کچھ کون تھیں
کی دینے انہوں نے اور اہل نے اور ادب میں جو امتیاز صحت پہنچی
کو حاصل ہے اس کا خطرہ ہوا کی اپنی اور اہل سے کم نہ ہو گا۔

(پطرس بخاری)



RHOTAS BOOKS

Aligned Chambers 5 Temple Road Lahore